ڈاکٹر غوث احمد شیخ
Assistant Professor, S. S. A, Arts and Comerse College, Solapur, Maharashtra

خلیق الزماں نصرتؔ: محقق، نقاد اور شاعر

ملخص

نصرت صاحب کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جس نے اپنی محنت و لگن سے اردو ادب کے لیے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے تنقیدی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے شعرا کے اشعار کا اچھا انتخاب کیا ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے تنقید کے گھسے پٹے جملوں کا استعمال نہیں کیا ہے۔ ان کے دو تنقیدی مضامین کے مجموعے (۱) آخری گھڑے کا پانی (۲) آب مقطہ شائع ہو چکے ہیں۔ نصرتؔ صاحب تنقیدی مضامین لکھنے کے دوران ہی تحقیقی نظریے سے بھی چیزوں کو دیکھا کرتے ہیں۔ ابتداء میں انہوں نے ایک مضمون جو کافی طویل ہے ''اردو وادی خار'' میں لکھا تھا۔ اس سے ان کی زبان اور تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے مضامین کا شکل میں تذکرہ بھی لکھا۔ بڑے اور اچھے شاعروں پر کافی مواد اکھٹا کیا۔ تحقیق کا ایک نایاب نمونہ خلیق الزماں نصرتؔ کی مایہ ناز کتاب ''برمحل اشعار اور ان کے مآخذ'' ہے۔ اس کا ذکر ہندوستان ہی نہیں بیرون ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ عرصے تک ان کو لوگ شعر کے خالق کا نام جاننے کے لیے فون کرتے تھے اور ان سے رابطہ کرتے تھے۔ اسی طرح ان کی ''تذکرہ شعرائے مہاراشٹر'' جلد اول اور دوم شائع ہوئیں۔ یہ ۹۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ادبی دستاویز ہے۔

نصرتؔ صاحب نے تقریباً پندرہ سو اشعار کو برمحل چن کر ان کو نا معلوم ہونے سے بچا لیا ہے۔ اور لگ بھگ دو ہزار اشعار اور جو دوسری جلد اور مشہور اشعار گم نام شاعر جلد اول اور دوم غیر مطبوعہ میں شامل ہے یہ اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔ انہوں نے شمار گمنام شاعروں کو قارئین سے روشناس کرایا ہے۔

اردو ادب میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اپنے تن من دھن سے اردو کی خدمت کرتے آرہے ہیں۔انہیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ لوگ ان کی خدمات کے صلے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں۔خلیق الزماں نصرت صاحب ان میں ایک ہیں۔انہوں نے ایم۔اے۔ایم۔کام کی سند لینے کے بعد ۳۲ سال تک بینک کی سروس کی۔اسکول میں آٹھویں جماعت سے شاعری کی شروعات اور بینک میں کام کرنے کے دوران شعروادب سے ناطہ نہیں توڑا۔بینک میں اردو کا کوئی کام نہیں ہوتا ہے۔کالج میں چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے شروع کیے جو پیام تعلیم میں شائع ہوئے۔غزلیں صدائے عام، اردو ٹائمز اور نقش کوکن میں شائع ہوتی رہیں۔کالج کے زمانے میں بزم اردو کی ماہانہ نشستوں میں آپ نہ صرف اپنی غزل سنایا کرتے تھے بلکہ اپنے کامرس کے دوستوں کو بھی اس میں شامل کرنے کی تک ودو کی۔جس کے نتیجے میں ان کے کئی ہم جماعت دوستوں میں شعروشاعری کا چسکا لگ گیا اور وہ ماہانہ نشستوں کے علاوہ شہر کے بڑے بڑے مشاعروں میں منتظمین کی حیثیت سے شامل ہونے لگے۔نصرت صاحب جس کالونی میں رہتے تھے وہاں اپنے بزرگوں سے مل کر ایک بزم کی شروعات کی، یہاں بھی ماہانہ شعری نشست ہونے لگی۔کچھ دنوں بعد اسی بزم کے زیر اہتمام کئی آل انڈیا مشاعرے بھی منعقد ہوئے۔نصرت صاحب تعلیم مکمل کر کے بھیونڈی آئے تو یہاں مشہور شاعر اور نوائے سروش رسالہ کے مدیر حضرت فیض نظام پوری کے قریب آئے۔اور اپنی تخلیقات پر ان سے اصلاح لینی شروع کی۔ان کے استاد فیض نظامپوری کا ایک شعری مجموعہ ''مضراب'' شائع ہو چکا تھا جسے بمبئی اور اس کے اطراف میں مقبولیت مل چکی تھی۔انہوں نے بھیونڈی میں اپنی شعری صلاحیت کو خوب ابھارا۔فیض صاحب جو خود بھی زبان داں تھے اور علامہ آرزو لکھنوی کے شعری خانوادے سے تھے بڑے متحرک تھے۔ان کے ساتھ رہ کر نصرت صاحب نے اردو کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔نصرت صاحب نے ایک ملاقات میں اپنے استاد کے تعلق میں بتایا تھا کہ فیض صاحب اور ان کے استاد بیتاب نظامپوری اکثر بسمہ اللہ ہوٹل بھیونڈی میں ایک کنارے کے بیچ پر بیٹھا کرتے تھے۔فیض صاحب کسی مصرعے پر شعر کہتے جاتے تھے اور ان کے استاد شعر کی باریکیاں بتا کر اشعار پھاڑ پھاڑ کر پھینکتے جاتے تھے۔اس طرح جب فیض صاحب ایک مصرعے پر ۸۰۔۷۵ اشعار کہہ لیتے تھے تو آخری کے ساتھ آٹھ شعر کو بیتاب نظام پوری انہیں سنبھال کر رکھنے کی ہدایت دے کر وہاں سے اٹھ جاتے تھے۔ظاہر ہے اتنی کوشش کے بعد جو شعر ہوں گے وہ آخری گھڑے کے پانی جیسے ہی ہوں گے۔

تبھی تو نصرت صاحب نے ان کے فن اور شخصیت پر مضمون لکھا وہ اپنی نوعیت کا پہلا مضمون ہے۔فیض صاحب کی شاعری کو ادبی دنیا سے روشناس کرانے میں نصرت صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔فیض صاحب کے ان اشعار سے آپ ان کی شعری صلاحیت کا اندازہ لگائیں اور نصرت صاحب کی ناقدانہ نظر کی داد دیں۔

جب بلندی پر پہونچ جاتے ہیں لوگ
کس قدر چھوٹے نظر آتے ہیں لوگ
گھنا گھنا تو ہے جنگل حیات کا لیکن
شجر شجر تنہا کھائی دیتا ہے

یہ اور اس طرح کے دوسرے کئی اشعار کا انتخاب کر کے انہوں نے اپنے استاد کو ادبی دنیا میں ایک مقام دلوایا۔فیض صاحب کی موت ۴۸ سال کی عمر میں ہوگئی۔ان کی موت کے بعد ایک اور شعری مجموعہ شائع ہوا۔نصرت صاحب چند برسوں تک اپنی تعلیمی قابلیت سے شہر بھیونڈی میں اکاؤنٹینٹ کی حیثیت سے پراویٹ نوکری کی۔۱۹۷۹ء میں ان کا تقرر بینک میں ہوگیا اور ۳۲ سال سروس کرنے کے بعد بامبے مرکنٹائل ۲۰۱۲ء میں سبکدوش ہوئے تھے۔بینک ملازمت کے دوران انہوں نے اپنا رشتہ اردو سے جوڑے رکھا۔۱۹۹۵ء میں ان کے مضامین کا پہلا مجموعہ ''شعوری رجحانات'' شائع ہوا۔اس کا اجراء شہر کی مشہور انجمن فروغ تعلیم نے کیا۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ شہر بھیونڈی کا یہ پہلا تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ان کا تنقیدی نظریہ یہ ہے کہ روایت کی پاسداری اور اس جدیدیت کی مخالفت کی جائے۔نصرت صاحب کا کہنا ہے کہ اردو شاعری کسی بھی عزم کے تحت فروغ نہیں پا سکتی۔اسے تمام پابندیوں سے آزاد ہونا چاہئے۔ترقی پسندی بھی کمیونیزم کے زیر اثر رہی۔اس کا بھی وہی حشر ہوا۔چند برسوں میں ہی اس کی بساط پلٹ دی گئی۔ترقی پسندیوں کے حامی نے اس کی مخالفت شروع کردی۔یہ بڑے ذہین شعرا و ادباء تھے۔ان کی اپنی ایک سوچ اور فکر تھی۔اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا تھا۔پھر بھی نصرت صاحب نے کسی بھی دھارے میں بہہ کر جینا پسند نہیں کیا۔ان کا فیصلہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔انہیں اگر احمد فراز کا کوئی شعر پسند نہیں آیا تو احمد فراز جیسے شاعر کو نہیں بخشا۔ان کی تنقید کے جملے بڑے نرالے ہوئے ہیں۔وہ جب ظفر گورکھپوری کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظفر کی شاعری ترقی پسندوں کے بطن سے پیدا ہوئی تو بڑا لطف آتا ہے اور یہ سچ بھی ہے۔

نصرت صاحب کے اندر بے باکی بھی ہے۔ فیض صاحب کے دوسرے شعری مجموعے کے پیش لفظ میں حضرت اعجاز صدیقی نے اپنی عادت کے مطابق لکھا کہ فیض صاحب کچھ روز اور جیتے تو انہیں وہ مقام مل جاتا۔ جس طرح کے اشعار کا انتخاب نصرت صاحب نے پیش کیا ہے اس تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے تنقید کے گھسے پٹے جملوں کا استعمال نہیں کیا ہے۔ اب آیئے تحقیق کی طرف آئیں۔ ان کے دو تنقیدی مضامین کے مجموعے (۱) آخری گھڑے کا پانی (۲) آب مقطہ شائع ہو چکے ہیں۔ نصرت صاحب تنقیدی مضامین لکھنے کے دوران ہی تحقیقی نظریے سے بھی چیزوں کو بھی دیکھا کرتے ہیں۔ ابتداء میں انہوں نے ایک مضمون جو کافی طویل ہے ’’اردو وادی خار‘‘ میں لکھا تھا۔ اس سے ان کی زبان اور تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر خورشید نعمانی نے اسے اردو کا مقدمہ کہا ہے۔ کتابی شکل میں انہوں نے سب سے پہلے ’’شعرائے بھیونڈی‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ان سے قبل ملک مومن نے بھی ’’آئینہ‘‘ کے نام سے ایک تحقیقی تذکرہ لکھا تھا۔ لیکن اس میں اتنا مواد نہیں ہے۔ نصرت صاحب نے مضامین کا شکل میں تذکرہ لکھا۔ بڑے اور اچھے شاعروں پر کافی مواد دیا تھا۔ انہیں تذکرے کا نام پر شاعروں کا بائیوڈاٹا لکھنا پسند نہیں تھا۔ ان کی نظر میں یہ بچوں کا کام ہے۔ انہوں نے کئی شاعروں کے بارے میں مقالے کا طرز اپنایا ہے۔ نصرت صاحب کے دوستوں نے بتایا کہ یہ کتاب انہوں نے ۳۰۲ ہفتے میں تیار کر لی تھی۔ نصرت صاحب کافی لکھاڑ ہیں اسی طرح انہوں نے ’’تذکرہ شعرائے مہاراشٹر‘‘ جلد اول اور دوم شائع کی۔ یہ ۹۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ادبی دستاویز ہے۔ اس کی قدر جیسے جیسے زمانہ بیتتا جائے گا بڑھتی جائے گی۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ شعرائے مہاراشٹر دس جلدوں میں شائع ہوگی۔ ہر علاقے کا الگ الگ تذکرہ ہوگا۔ اس کے شائع ہوتے ہی ’’شعرائے بمبئی‘‘ کا تذکرہ لکھا جانے لگا اور بمبئی یونیورسٹی میں مقالہ مکمل بھی ہو گیا ہوگا۔ آپ کے لیے ایک خاص بات اور ہے کہ سو سال سے بمبئی کا تذکرہ نہیں لکھا گیا تھا۔ اب اس تذکرے سے شاخیں پھوٹنے لگی ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ اردو کے مشہور نقاد اور محقق اور بمبئی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر مجاہد حسین حسینی، معروف شاعر ساز اور ابراہیم اشک نے لکھا ہے۔ سب نے اس کتاب کو ایک ادبی دستاویز کہا ہے۔ ان کے جملے آپ کی نذر ملاحظہ ہوں۔

’’جناب خلیق الزماں نصرت کی بیش بہا اور بے پناہ افادات کی حامل کتاب ادب گاہ

بمبئی بنام شعرائے مہاراشٹر کو جب میں نے سرسری طور پر پڑھا اور چاہا کے اسے بلا تکلف رکھ دوں تو اس ظالم ہاتھوں کی گرفت اور نظروں کی توجہ سے ہٹنے سے یکسر انکار کر دیا۔ علامہ آرزو لکھنوی مرحوم کی زبان میں گویا اس نے مجھ سے احتجاج کیا اور کہا''۔

جاتے کہاں ہیں وآپ نظر مجھ سے موڑ کے
تصویر نکلی پڑتی ہے، آئینہ توڑ کے

(پروفیسر مجاہد حسین حسینی، سابق صدر شعبۂ اردو، بمبئی یونیورسٹی)

''جناب خلیق الزماں نصرتؔ صاحب ادبی تلاش و تحقیق کے ضمن میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ موجودہ تحقیقی کتاب ممبئی اور مضافات کے شعراء کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ تحقیقی، تدقیق، تلاش، سراغ اور عملی جد و جہد کا بڑا کام ہے۔ ایک ادارے بھر کے اس کام کو نصرتؔ صاحب نے تن تنہا انجام دیا ہے''۔

(عبدالاحد ساز، ممبئی)

''ممبئی کی شاعری کے تعلق سے یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو آئندہ نسلوں کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوگی۔ نصرتؔ کی یہ تحقیق اس صدی کا بے بدل اور بے تحفہ ہے جو مستقبل کے محققین کے لیے بھی مشعلِ راہ بنے گا''۔

(ابراہیم اشک، ممبئی)

نصرتؔ صاحب کی زبان و بیان سے متعلق ڈاکٹر یحیٰ نشیط رقم اللسان ہیں:

''نصرتؔ کا قلم رواں دواں ہے، زبان سہل و آسان اور تراکیب سے یکسر آزاد ہے۔ وہ عالمانہ بیان سے اپنی زبان کو بوجھل اور غیر موثر نہیں بناتے۔ ان کا طرز فہمائش بھی گنجلک اور پیچیدہ نہیں۔ ان کا نثری اسلوب جاذب قلب ہے۔ جس زبان میں وہ گفتگو کرتے ہیں اس زبان کو تحریر کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے بے ساختگی اور برجستگی اس میں پائی جاتی ہے''۔

تحقیق کا ایک نایاب نمونہ خلیق الزماں نصرتؔ کی مایہ ناز کتاب ''برمحل اشعار اور ان کے مآخذ'' ہے۔ اس کا ذکر ہندوستان ہی نہیں بیرون ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ عرصے تک نصرتؔ صاحب کو لوگ یہ

شعر کس کا ہے جاننے کے لیے فون کرتے تھے اور ان سے رابطہ کرتے تھے اور نصرتؔ صاحب کسی شعر کے خالق کا نام بتایا کرتے تھے۔ تقریباً چار سال تک ان کے اشعار برمحل انقلاب میں شائع ہوتے رہے۔ اس سے کافی لوگوں نے استفادہ کیا۔ شاعر میں کئی مضمون برمحل اشعار پر مستقل شائع ہوتے رہے۔ اب تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب تک جن حضرات نے ان کی کتاب کی ستائش کی ہے اور اپنی تحریر سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ان میں شمس الرحمٰن فاروقی، ندا فاضلی، پروفیسر مجاہد حسین حسینی، اسلم مرزا، حقانی القاسمی، ظفر ہاشمی، رفیع انصاری، ایم مبین، مولانا ابوظفر حسان ندوی، محمد صدیقی، مشتاق شمس، مشتاق قاضی، ڈاکٹر یحیٰ نشیط، ڈاکٹر وہاب اشرفی، ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی وغیرہ خاص ناقد اور مضمون نگار ہیں۔

نصرتؔ صاحب نے یہیں پر اپنا کام ختم نہیں کیا برمحل اشعار کی دوسری جلد بھی انہوں نے تیار کر رکھی ہے اس کے شائع ہونے کے بعد ان کے پاس کئی اشعار ہیں جنھیں وہ آئندہ شائع کرنے میں لگے ہوتے ہیں اب میں ان کی تحقیقی کام کا نمونہ آپ کے سامنے پیش کروں گا اس سے آپ چونک جائیں گے کہ فلاں شعر تو فلاں کا تھا۔ نصرتؔ صاحب کے مطابق تو یہ شعر کسی اور کا ہے۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار
جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں

بہادر شاہ ظفرؔ — مظفرؔ خیر آبادی

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

رام پرساد بسملؔ — بسملؔ عظیم آبادی

عمر دراز مانگ کے لائی تھی چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بہادر شاہ ظفرؔ — سیمابؔ اکبر آبادی

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

علامہ اقبالؔ — شہر مچھلی شہری

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

فکر یزدانی　　　　میرؔ

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

محمد رضا برقؔ　　　　اقبالؔ

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

حیرتؔ الہ آبادی　　　　اقبالؔ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مولانا ظفرؔ علی خان　　　　اقبالؔ

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقے سے تراشا جائے

منظور ندیم بالاپوری　　　　اقبالؔ

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل نا تواں نے خوب کیا

امیرؔ　　　　میرؔ

اس طرح کے کئی اشعار جن کو لوگ ان کے خالق کے نام غلط جانتے ہیں ان کے صحیح شاعر کا نام نصرتؔ صاحب نے ثبوت کے ساتھ پیش کیا ہے اور زیادہ تر اشعار کے لیے انہوں نے دیوان یا شعری مجموعے کا حوالہ دیا ہے۔ دیوان کھوجنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ نصرتؔ صاحب کتاب برمحل اشعار سے استفادہ کر کے مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ان کے اشعار کا سرقہ کر کے لوگ بیت بازی کی کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ لیکن اس کا کریڈیٹ تو صرف نصرتؔ صاحب کو ملنا

چاہیے۔بغیر کسی حوالے سے اتنی تعداد میں اشعار لے لینا ادبی دیانت داری نہیں ہے۔

نصرتؔ صاحب نے تقریباً پندرہ سو اشعار کو برمحل چن کر ان کو نامعلوم ہونے سے بچالیا ہے۔اور لگ بھگ دو ہزار اشعار اور جو دوسری جلد اور مشہور اشعار گم نام شاعر جلد اول اور دوم غیر مطبوعہ میں شامل ہے یہ اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے۔نصرتؔ صاحب نے شمار گمنام شاعروں کو قارئین سے روشناس کرایا ہے۔نصرتؔ صاحب کے مضامین ہندوستان کے بڑے بڑ رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ان رسالوں میں آج کل ،اردو دنیا ،فکر وتحقیق، دربھنگہ ٹائمز، بے باک اور بچوں کی دنیا وغیرہ۔ان کے مضامین میں نئے عنوانات کی جھلک رہتی ہے ہر بار ایک نئی کھوج جو اردو ادب کے محققین کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔بہت سارے ایسے عنوانات پر لکھے گئے ہیں کہ ان موضوع پر کسی نے قلم فرسائی نہیں کی ہے۔چند عنوانات دیکھتے چلیں۔برمحل اشعار میں کسی استاد زباں کی اصلاح یا تصرف فلموں میں برمحل اشعار کا استعمال، ہندو شعراء کے برمحل اشعار، پروین شاکر کی غزلوں میں مردوں کی بے وفائی اور فرہنگ آصیفہ میں انتساب شعر کی غلطیاں اور نامعلوم اشعار کے خالق کا نام وغیرہ خاص ہیں۔

نصرتؔ صاحب صرف عنوانات پر مضامین ہی نہیں لکھتے ان کی کتابیں بھی نئے موضوعات پر رہتی ہیں۔فی الحال جو کتابیں ان غیر مطبوعہ ہیں ان میں زیر، زبر، پیش، استعارہ، سرقہ اور نوادر، شعرائے اشرط تیسری جلد (مالیگاؤں) بہت اہم ہیں اتنا ہی نہیں نصرتؔ صاحب مقامی اور بیرونی شاعروں اور ادبی جلسوں میں اپنی غزلیں اور مقالے پڑھتے رہے ہیں۔اس لیے لوگ ہر جگہ انہیں چہرے سے نہیں تو کم از کم نام سے ہی جانتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ ان کی کتابوں سے مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادمی، بہار اردو کادمی اور یوپی اردو اکادمی سے کئی بار انعامات و اعزازات مل چکے ہیں۔مگر ان کی ادبی خدمات کے عوض میں تحسین اور ستائش بہت کم ہیں۔وہ آدمی جس نے اردو کو روزی نہیں بنایا پھر بھی تقریباً پچاس سال سے اس طرح بے لوث خدمت کیے جا رہا ہے۔

☆☆☆